علمی مضامین سلسلہ نمبر ۱۲

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

معراج سیّد المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ اور رؤیت باری تعالیٰ

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ ﴾

۞ ۞ ۞

شواہد و دلائل .....پُر اَسرار منظر اور تجلیات

(۱)

سعادت کے لیے اُسی کو منتخب کیا جاتا ہے جو رموزِ مملکت سے واقف ہو ضروری چیزوں کا مشاہدہ کیے ہوئے ہو اور اگر اُس کو کسی خاص مشن پر بھیجا جائے تو یہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اُس مشن کا پورا جذبہ رکھتا ہو اُس کے متعلق پورا وثوق اور یقین اُس کو حاصل ہو جس کی بناء پر ہر بات قوت سے کہہ سکے پیچیدگیوں کو حل کر سکے اور اگر مشکلات پیش آئیں تو اُن کو بھی برداشت کر سکے۔

یہی شان داعیانِ حق کی ہے جو رب ذوالجلال کی طرف سے سفیر بنا کر بھیجے گئے، وہ رموز و اَسرار سے واقف تھے مقصد پر پورا یقین رکھتے تھے، وقتاً فوقتاً اُن کے یقین کامل میں جِلا پیدا کیا جاتا تھا اور جس کی دعوت زیادہ وسیع اور ذمہ داری زیادہ اہم ہوتی تھی باجود یکہ اُس کا یقین زیادہ پختہ ہوتا اور

اُس کو اِطمینانِ کامل اور شرحِ صدر حاصل ہوتا تھا مگر پھر بھی غیر معمولی مشاہدات وتجلیات سے اُن کے شرحِ صدر اور اطمینان ویقین میں اِضافہ کیا جاتا تھا۔

(۲)

نوعِ انسان کی ذہنی صلاحیت جب اِس حد تک پہنچی کہ اُس نے اپنے مشاہدات سے نتائج اَخذ کرنے شروع کیے تو اُس نے ایک دھوکہ کھایا، آسمان کے تارے اور چاند سورج جو خالقِ کائنات قادر ذوالجلال کی قدرتِ بے پایاں کے نمونے، براہین اور آیات ہیں، اِنسان نے دھوکہ یہ کھایا کہ اُن ہی کو رب اور معبود سمجھنے لگا اُس نے یہ سمجھا کہ اِن ہی سے قربت حاصل کرنا کمالِ عبدیت ہے وہ اُن تک پہنچ نہیں سکتا تھا تو اُن کے نام کے ہیکل اور مندر بنائے اور اُن کے گوشوں میں چلہ کشی شروع کر دی۔ رب العالمین کے سب سے پہلے سفیر جنہوں نے نمونے اور اصل میں فرق کر کے یہ نصب العین معین کیا :

﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾(الانعام : ۱۶۲)

''میری نماز میری تمام عبادتیں میرا جینا اور میرا مرنا اُس اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے۔''

سیّدنا حضرت اِبراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تھے آپ نے زہرہ پر نظر ڈالی جو ایک ستارہ تھا جس کی پرستش اُن کے علاقہ میں خاص طور سے کی جاتی تھی اُس کو دیکھا کہ تھوڑی دیر وہ اُفق پر چمکتا رہا پھر غروب ہو گیا تو طے کر لیا کہ جو ہستیاں ڈوب جانے والی اور چھپ جانے والی ہیں میں اُن کا پرستار نہیں ہوسکتا، پھر پردۂ ظلمات کو چاک کرتے ہوئے چاند نمودار ہوا پھر آفتابِ جہاں تاب جلوہ گر ہوا وہ سب سے بڑا اور سب سے زیادہ روشن تھا مگر جب دیکھا یہ سب کسی ٹھہرے ہوئے قاعدے کے پابند ہیں تو یقین کر لیا کہ جو پابند ہو وہ معبود نہیں ہوسکتا اور طے کر لیا کہ

﴿ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾ (سُورۃ الانعام : ۷۹)

''میں نے سب سے منہ موڑ کر صرف اُس ہستی کی طرف اپنا رُخ کر لیا ہے جو کسی کی

بنائی ہوئی نہیں ہے بلکہ وہ خود آسمان اور زمین کی بنانے والی ہے اور میں اُن میں سے نہیں ہوں جو اُس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں۔''

یہ اِبتدائی مشاہدات حضرت اِبراہیم علیہ السلام کے تھے جن سے وہ اِس نتیجہ پر پہنچے کہ قابلِ پرستش صرف ایک وہ ہے جو اِن سب پابند وقابلِ تغیر چیزوں سے بالا ہے، جو اِن سب کا خالق و مالک ہے لیکن حضرت اِبراہیم علیہ السلام کو رُشد و ہدایت اور دعوت اِلی اللہ کے مقامِ اعلیٰ پر پہنچانا تھا اُس مقامِ اعلیٰ کے بموجب یقینِ کامل، شرحِ صدر اور اطمینانِ قلب پیدا کرنا تھا تو اگرچہ تفصیل نہیں بتائی گئی مگر یہ بتادیا گیا کہ :

﴿وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ﴾ [1]

''بادشاہت کے جلوے دکھادیے تاکہ (وہ اِستدلال کرسکیں) اور یقین رکھنے والوں میں سے ہوجائیں۔''

حضراتِ مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضرت اِبراہیم علیہ السلام کو اِسی دُنیا میں جبکہ وہ ایک چٹان پر رونق اَفروز تھے تمام آسمانوں کا عرشِ معلیٰ تک اور تمام زمینوں کا تحت الثریٰ تک نیز جنت کا اور جنت میں اُن کے مقام وموقف کا مشاہدہ کرادیا گیا تھا۔ (اِمام التفسیر حضرت مجاہد وسعید بن جبیر رضی اللہ عنہما)

(۳)

نوعِ انسان کا قافلہ آگے بڑھا، اِنفرادیت کے بجائے اِجتماعیت پیدا ہوئی، سماجی نظام بنے بادشاہتیں قائم ہوئیں، اُمراء ووزراء رُونما ہوئے، فوجیں منظّم ہوئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ضابطۂ حیات اور ایک دستور دیا گیا جس کا نام ''تورات'' ہے جس کو بائبل کا عہدِ قدیم کہا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ترقی پذیر اِجتماعی زندگی کے لیے دستور العمل عطاء فرمانا مقصود تھا تو اُن کی نبوت ورسالت کا آغاز اُس تجلی سے ہوا جو طور کی جانب وادی کے داہنے کنارے پر ہوئی تھی کہ ہرے بھرے درخت پر شعلہ بھڑک رہا تھا۔

---

[1] سُورۃ الانعام : ۷۵

﴿ فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی o اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًیo وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰیo اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴾ (سورۂ طٰہٰ ۱۰ تا ۱۴)

''جب وہاں پہنچتے ہیں تو پکارا گیا ہے اے موسٰی میں ہوں تیرا پروردگار، بس اپنی جوتی اُتار دے تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے اور دیکھ میں نے تجھے اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے، بس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اُسے کان لگا کر سن، میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں بس میری ہی بندگی کر اور میری ہی یاد کے لیے نماز قائم کر۔''

اِس تجلّی نے جس طرح یقین محکم میں اطمینان اور اِنشراحِ صدر کی روشنی پیدا کی، شوق کی ایک چنگاری بھی قلبِ موسٰی میں سُلگا دی، یہ چنگاری دہکی اور جذبۂ شوق اُس وقت اُبھرا جب توریت عطا کرنے کے لیے حضرت موسٰی علیہ السلام کو طور پر بلایا گیا اور شرفِ مکالمہ سے نوازا گیا، حضرت موسٰی علیہ السلام نے یہ لطف وکرم دیکھا تو جرأت کر کے یہ درخواست بھی کر دی :

﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ﴾ میرے رب میرے سامنے آجا، ایک نظر دیکھ لوں تجھ کو۔

جواب ملا: ''تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا، مگر ہاں اِس پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر یہ (تجلّی حق کی تاب لے آیا اور) اپنی جگہ ٹِکا رہا تو سمجھ لینا تجھے بھی میرے نظارے کی تاب ہے اور تو مجھے دیکھ سکے گا۔ بہر حال اِس فرطِ شوق کا نتیجہ تو وہ بے ہوشی تھی جو حضرت موسٰی علیہ السلام پر طاری ہوئی، جب تجلّیٔ رب سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔'' [۱]

مگر اِس عجیب وغریب نظارے نے (جس میں تمنائے دیدار بھی تھی اور اعلان ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ کے ساتھ وہ جلوہ آرائی بھی جس نے) وارفتۂ شوق (حضرت موسٰی علیہ السلام) کو وارفتۂ حواس کر دیا حضرت موسٰی علیہ السلام کے اِیمانِ کامل اور آپ

---

[۱] سورۃ الاعراف : ۱۴۳

کے یقینِ محکم کو اطمینان و اِنشرح کے اُس نورِ درخشاں سے بھی منور کر دیا جو اُس عالی مرتبہ داعیٔ حق کے لیے ضروری تھا جس کو توریت کے وہ اَلواح دیے جا رہے تھے جن میں ہر قسم کی باتیں لکھ دی تھیں تا کہ (دین کے) ہر معاملے کے لیے اُس میں نصیحت ہو اور ہر بات اَلگ اَلگ واضح ہو جائے۔ (سورۃ الاعراف : ۱۴۵)

اِبتدائی اور درمیانی درجوں کے گزرنے کے بعد کمالِ اعلیٰ کی ضرورت تھی، یہ کمالِ اعلیٰ نیز آخری پیغام یعنی کتابِ مکمل اور وہ کلام جو ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے کس کو عنایت ہوتا، وہ اُسی کو دیا جاتا جس کا یقین سب سے زیادہ محکم ہوتا جس کو سب سے زیادہ شرحِ صدر حاصل ہوتا جس کے مشاہدات سب سے زیادہ وسیع اور سب سے اعلیٰ ہوتے جس کے جذبۂ شوق کو ﴿ لَنْ تَرَانِیْ ﴾ کی نامرادی نصیب نہ ہوتی بلکہ ﴿دَنٰی فَتَدَلّٰی﴾ اور ﴿مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی﴾ کی کامیابیاں بھی اُس کو حاصل ہونے والی ہوتیں۔ قدرت نے یہ مرتبۂ بلند اُس کے لیے تجویز کر رکھا تھا جس کا وجود اِس کائنات کے خلق کا محرک اور جس کا ظہورِ مقدس اِس پورے نظامِ عالم کا آخری مقصد تھا لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ ''اے محمد ﷺ اگر تو نہ ہوتا تو عالمِ کون و ہست کی صورت گری بھی نہ ہوتی۔''

معراج کا پُر اَسرار منظر اور تجلیات :

اِس اکمل الانبیاء اور اکمل الرسل کے مشاہدات کی تفصیل سورہ والنجم کی اِبتدائی آیات میں بیان کی گئی ہے لفظی ترجمہ یہ ہے :

''قسم ہے تارے کی جب گرے (غروب ہو) بہکا نہیں تمہارا رفیق اور بے راہ نہیں چلا، نہیں بولتا اپنے دِل کی چاہ (خواہش) سے جو کچھ ہے وہ وحی ہے، جو اُس پر اُتاری جاتی ہے۔ سکھایا اُس کو سخت قوتوں والے نے، زور آور نے، پھر متمکن ہوا (قائم ہوا) وہ تھا اُفقِ اعلیٰ پر، پھر نزدیک ہوا پھر اور قریب ہوا (لٹک گیا) پھر رہ گیا فرق دو کمانوں کا میانہ یا اِس سے بھی زیادہ نزدیک (دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ

گیا بلکہ اُس سے بھی کم) پھر وحی کی نازل اپنے بندے پر، جو وحی نازل کی (پھر حکم بھیجا اپنے بندے پر جو بھیجا) جھوٹ نہ دیکھا دل نے جو دیکھا۔ اب کیا تم اُس سے جھگڑتے ہو اِس پر جو اُس نے دیکھا اور بیشک دیکھ چکا تھا وہ اُس کو ایک دُوسرے نزول (اُتارنے) میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اُس کے قریب جنت الماویٰ ہے، جب چھا رہا تھا اُس سدرۃ المنتہیٰ پر جو چھا رہا تھا اور تھکی (مڑی) نہیں نگاہ، نہ حد سے بڑھی، بیشک دیکھے اُس نے اپنے رب کے بڑے نمونے (بڑے بڑے عجائبات)''

تفہیمات و تلویحات :

(۱) اُستادِ محترم حضرت علامہ مولانا سیّد اَنور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ وہ پُر اَسرار منظر جس کی طرف اِن آیات میں اِشارہ ہے وہ منظر ''معراج'' ہے۔ صاحبِ تفسیر مظہری حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق بھی یہی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر سورۃ النجم)

سطورِ بالا کا ترجمہ لفظی ہم نے پیش کر دیا۔ شاید آپ کو اِبہام و اِجمال کی شکایت ہو، یہ شکایت بجا ہوگی بیشک مجمل اور مبہم ہے مگر اَسرار و رموز میں تفصیل کب ہوا کرتی ہے عشق و محبت کی باتیں تو مبہم ہی ہوا کرتی ہیں یہاں پردہ داری ہی میں لطف ہوتا ہے۔ ع

دیدار مے نمائی و پرہیز مے کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی [۱]

پھر یہاں تو عشق و محبت کے ساتھ عابد و معبود کا رشتہ بھی ہے اور تذکرہ اُس بارگاہ اور اُس مقامِ اعلیٰ کا ہے جہاں پرواز فکر کے بھی پر جلتے ہیں اور اِس سے بہت ورے جبرئیل اَمین نے کہہ دیا تھا۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم [۲]

---

[۱] تو دیدار کراتا ہے اور پرہیز کرتا ہے، اپنا بازار اور ہماری آگ تیز کرتا ہے۔

[۲] اگر بال کے کنارے کے برابر میں اُوپر اُڑوں تو تجلی کی زیادتی میرے پروں کو جلا دے گی۔

ہم مادّے کے گھروندے میں بند ہیں، ہمارا قیاس ہمارا خیال ہمارا علم غرض جو کچھ ہمارے پاس ہے اُس کا دائرہ اُس گھروندے سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور جس کے ماحول کا تذکرہ ہے وہ مادّے سے بہت بہت مقدس بہت پاک۔

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم
وز ہرچہ گفتہ اَندو شنیدیم و خواندہ ایم [1]

پس جب اُس برتر و بالا کی باتیں ہوں گی تو لامحالہ اُن میں اِجمال ہی ہوگا۔ ہمارے ناقص الفاظ میں تفصیل کی گنجائش کہاں ہے اور یہ بھی اُس وقت جب ہمارے ناقص الفاظ استعمال کیے جائیں اور اگر وہاں کے الفاظ بولے جائیں تو ہم اِتنا بھی نہ کہہ سکیں، شاید یہ مقطعاتِ قرآنی یعنی الٓمٓ حٰمٓ الٓرٰ وغیرہ وہاں کی زبان کے الفاظ ہیں جن کے سمجھنے سے فہمِ انسان قاصر ہے اور حضراتِ مفسرین یہی کہہ دیتے ہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ .

(۲) دیدار نہ ہوسکنا، کھلی ہوئی بات تھی۔ حضرت موسٰی علیہ السلام سے دولفظوں میں کہہ دی گئی ﴿ لَنْ تَرَانِیْ ﴾ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، مگر یہاں فرمایا گیا ہے ﴿مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴾ نہ نگاہ مڑی، نہ حد سے آگے بڑھی، اِس سے پہلے فرمایا گیا ہے ﴿مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی﴾ جھوٹ نہ دیکھا دل نے جو دیکھا۔

اور اگر ''کَذَّبَ'' (ذال پر تشدید) والی قرأت لی جائے تو مطلب یہ ہے کہ آنکھوں نے جو کچھ دیکھا دل نے اُس کی تصدیق کی تکذیب نہیں کی۔ مگر کیا دیکھا ! ایک مرتبہ اور دیکھا ! ! ! کس کو دیکھا ! ! ! وہ سخت قوتوں والا زور آور کون ہے ؟ جس کا تذکرہ پہلے ہوا، کیا دل بھی دیکھتا ہے ؟ دل کی آنکھوں نے کیا دیکھا ؟ دیدۂ چشم سے کیا نظر آیا ؟ قائم کون ہوا ؟ اُفقِ اعلیٰ پر کون تھا ؟ اللہ میاں تھا ؟ ؟ ؟ وہ تو لامکاں ہے ! پھر اُفقِ اعلیٰ پر کیسے ! قرین کون ہوا ؟ تدلی کس کی ہوئی ؟

---

[1] اے (وہ ذات) جو قیاس خیال وگمان سے برتر ہے اور ہر اُس چیز سے برتر ہے جو لوگوں نے کہا ہم نے سنا اور پڑھا ہے۔

وحی کس نے بھیجی ؟ دیکھو یہ بارگاہِ عشق ہے، یہ دربارِ رب ذوالجلال ہے، جو کچھ کہو سوچ کر کہو، سمجھ کر کہو، اَدب شرط ہے۔

اَدب گاہ ہیست زیر آسماں اَز عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا[۱]

فضلائے اُمت اوراَ کابر علماء رحمہم اللہ دم بخود ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی باتیں بھی مختلف ہیں۔ حضرت اِبن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عبدِ کامل (محمد ﷺ) کو مقصودِ حقیقی کا دیدار ہوا یعنی اہلِ اِیمان تجرد کے جس اعلیٰ مقام پر قیامت کے بعد پہنچیں گے جب وہ ربِ حقیقی کا جلوہ اِس طرح دیکھیں گے جس طرح چودھویں رات کا چاند بے حجابانہ نظر آتا ہے، محبوب رب العالمین ﷺ شبِ معراج میں کچھ ایسے ہی درجہ پر تھے، ممکن ہے آپ کا درجہ اِس سے بھی بلند ہو، بس یہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے والے یہی حبیبِ خدا ہیں رب ذوالجلال نے یہ کمال آپ کو عطا فرمایا ہے (ﷺ)۔ جبرئیل اَمین (علیہ السلام) کو اِس طرح دیکھنا اُس محبوب رب العالمین (ﷺ) کے لیے کمال نہیں ہے جس کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ ع بعد اَز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر[۲]

اور ﴿ مَارَاٰی﴾ سے پہلے ﴿مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ ﴾ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس دیدار کا شرف حاصل ہوا ہے وہ دیدارِ رب العالمین ہو۔ دیکھنے والے کی آنکھ نے آفتابِ نیم روز کو دیکھا اِس کے لیے دل کی تصدیق درکار نہیں ہے، آنکھ دیکھ رہی ہے، دل تابع ہے، دل نہیں مانتا تو ہٹ دھرم ہے کیونکہ آفتاب کو دیکھنا آنکھ ہی کا کام ہے لیکن وہ اُمورِ قدسیہ جن کا تعلق حضرت جل مجدہ کی ذات وصفات سے ہو اُن کا روشندان قلب ہے، ربِّ اکبر کا تجلّی گاہ قلبِ مومن ہی ہوتا ہے۔ یہاں آنکھ تابع ہے، شیطانی چمک دمک اور تجلیاتِ رحمانی میں فرق کرنا قلب ہی کا کام ہے لہٰذا ﴿مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ ﴾ کی سند کی ضرورت اُسی وقت ہوتی ہے جب دیدۂ چشم نے نورِ حق کا نظارہ کیا ہو۔

---

[۱] آسمان کے نیچے عرش سے بھی نازک تر ایسی اَدب گاہ ہے کہ جنید اور بایزید بھی اِس جگہ اپنا نفس گم کر کے آتے ہیں

[۲] خدا کے بعد تو ہی بڑا ہے قصہ مختصر۔

''شَدِیْدُ الْقُوٰی'' ''ذُوْ مِرَّۃٍ'' کون ہے ؟

شاید خلجان ہو کہ سخت قوتوں والا زور آور یعنی ''شَدِیْدُ الْقُوٰی'' ''ذُوْ مِرَّۃٍ'' حضرتِ حق جل مجدہ کی شان کے شایان نہیں ہے اِن الفاظ میں مادّیت کی بو آتی ہے لہٰذا حضرت جبرئیل اَمین علیہ السلام کے لیے تو برداشت ہو سکتے ہیں، خود قرآن شریف میں سورۂ تکویر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ﴿ذِیْ قُوَّۃٍ﴾ فرمایا گیا ہے مگر حضرت جل مجدہٗ کی شان اعلیٰ واَرفع کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ اِسی طرح ﴿فَاسْتَوٰی﴾ جس کا ترجمہ ہم نے کیا ہے متمکن ہوا قائم ہوا۔ اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کا ترجمہ فرمایا ہے سیدھا بیٹھا، اِسی طرح یہ باتیں کہ پھر نزدیک ہوا پھر اور قریب ہوا پھر رہ گیا فرق دو کمانوں کا میانہ یا اِس سے بھی نزدیک (دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم) یعنی ﴿دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی﴾ جس کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے یہ فرمایا ہے ''پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان کا میانہ یا اِس سے بھی نزدیک'' یہ تمام کیفیتیں حضرت جل مجدہ کی شان کے مناسب نہیں ہیں چنانچہ حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کا ترجمہ یہ کیا ہے ''پھر وہ فرشتہ نزدیک آیا پھر اور نزدیک آیا، سو دو کمانوں کے برابر کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔''

جواب :

بیشک یہ خلجان بجا اور برمحل ہے مگر ہم اِس مضمون میں پہلے ہی اِعتراف کر چکے ہیں اور اب پھر اِقرار کرتے ہیں کہ ہماری لُغت (اُردو ہو یا فارسی یا عربی یا کوئی اور زبان) بہت قاصر ہے۔ ہمارے علم قیاس خیال غرض جو کچھ ہمارے پاس ہے اُس کا دائرہ ہمارے محسوسات اور اپنے ماحول کے تعلقات سے آگے نہیں بڑھ سکتا لہٰذا ہمارے ذخیرۂ لُغت میں صرف اُن ہی مادّیات کے لیے کچھ الفاظ ہیں اِس بناء پر وہ حقائق جو نہ عام محسوساتِ انسانی کی حدود میں داخل ہیں نہ ہمارے تصوراتِ تخیل کے احاطہ کے اندر ہیں ہمارے الفاظ اُن کو ٹھیک ٹھیک اَدا نہیں کر سکتے مگر چونکہ سمجھانا بہرحال اِن ہی الفاظ سے ہے تو یہی ناقص الفاظ اُن حقائقِ قدسیہ کے لیے مستعار لیے جاتے ہیں۔ شرعی نقطہ نظر سے اِس اِستفادہ کے لیے

شرط یہ ہوتی ہے کہ صاحب الشرع نے اِن الفاظ کو اِس مفہوم کے لیے استعمال کیا ہو، اللہ تعالیٰ کی شان میں بارئ النسمة کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو مولد النسمة نہیں کہہ سکتے حالانکہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے (جان پیدا کرنے والا) عربی کے علاوہ دوسری زبانوں کے لیے ضابطہ یہ ہے جو الفاظ حضرت حق مجدہ کے لیے استعمال کیے جائیں وہ زیادہ سے زیادہ باعظمت ہوں جن میں کسی نقص کا وہم بھی نہ ہوتا ہو۔ اِرشادِ ربانی ہے :

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ﴾ [1]

اب جو الفاظ اِن آیات میں استعمال کیے گئے ہیں وہ اگر محاورہ شریعت میں حضرت حق کے لیے اِستعمال کیے جاتے ہیں تو ہمیں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اِن الفاظ سے ذاتِ حق جل مجدہ یا اُس کا کوئی وصف مراد لیں۔

اِس اصول کے پیشِ نظر ملاحظہ فرمایئے، سورۃ الذاریات میں اِرشاد ہوا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے ''قوت والے'' کا لفظ وارد ہوا ہے۔

سورۂ طٰہٰ میں اِرشاد ہوا ہے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾

سورۃ الاعراف، سورۂ رعد، سورۂ فرقان وغیرہ میں اِرشاد ہوا ہے ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ یعنی اِستوی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف قرآنِ پاک کی متعدد آیتوں میں موجود ہے۔

مِرَّةٍ کے معنی ہیں قوت، مضبوطی (قاموس)

ذُوْ مِرَّةٍ . كَاَنَّهٗ مُحْكَمُ الْفَتْلِ (المفردات فی غرائب القرآن)

ذُوْ مِرَّةٍ کا لفظ اگرچہ قرآنِ حکیم میں اِسی مقام پر وارِد ہوا ہے لیکن اِسی مفہوم کو اَدا کرنے والا لفظ شَدِيْدُ الْبَطْشِ محاوراتِ شریعت میں وارد ہے سورۂ بروج میں ہے ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾

البتہ یہ ظاہر ہے کہ الفاظ اگرچہ وہی ہیں مگر اُن کی کیفیت میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ خود ہماری محسوس اور دیکھی بھالی چیزوں میں لفظ ایک ہی ہوتا ہے مگر مختلف چیزوں کے لحاظ سے اُس کی

[1] سُورة الاعراف : ۱۸۰

کیفیت مختلف ہوتی رہتی ہے مثلاً ''بیٹھنا'' ایک لفظ ہے مگر آدمی بیٹھ گیا، پودا بیٹھ گیا، کاروبار بیٹھ گیا، عمارت بیٹھ گئی، دل بیٹھ گیا۔

یا مثلاً ''اُڑنا'' پرندہ اُڑ گیا، جہاز اُڑا، جوتی اُڑ گئی (چوری ہوگئی) دماغ اُڑ گیا (حواس باختہ ہوگیا) دل اُڑا جا رہا ہے (اِختلاج ہو رہا ہے) آیت زیر بحث میں ﴿اِسْتَوٰی﴾ کا ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے ''سیدھا بیٹھنا'' ﴿تَدَلّٰی﴾ کا ترجمہ کیا ہے: لٹک آیا، اب اِس کا تعلق حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ہو یا اللہ رب العزت سے، ظاہر ہے بیٹھنے یا لٹکنے کی وہ نوعیت نہیں ہوگی جو کسی اِنسان یا کسی محسوس چیز کی نسبت سے ہمارے ذہن میں آتی ہے کیونکہ جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اِس موقع پر اصلی ہیئت میں نمودار ہوئے تھے کہ اُن کے چھ سو بازو تھے اور آسمان کے تمام کناروں (اُفق) کو گھیر رکھا تھا، ظاہر ہے ایسی ہستی کا بیٹھنا یا لٹکنا ہمارے عام تصور کے بموجب نہیں ہوگا، یہی تاویل کرنی پڑے گی کہ بیٹھنے یا لٹکنے سے ایک خاص ہیئت مراد ہے جو جبرائیل اَمین علیہ السلام کی ہیئتِ اصلیہ کے مناسب ہے، جب تاویل کی ضرورت یہاں بھی ہے تو پھر وہ بلند معنی کیوں نہ لیے جائیں کہ اِن اَفعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہے اور استواء، قوۃ اور مِرَّۃ سے وہ مفہوم مراد ہے جو جل مجدہ کی شان کے مناسب ہو جس کی کوئی تشبیہ نہیں دی جاسکتی کیونکہ اُس کی مثل کوئی چیز نہیں ﴿لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ﴾

رہ گئے یہ الفاظ ﴿دَنٰی فَتَدَلّٰی o فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی﴾ تو اِن کا جو ترجمہ کیا گیا وہ لُغتِ عربی کے لحاظ سے صحیح ہے مگر اَربابِ طریقت اور اہلِ سلوک کے محاورہ میں یہ تقرب اِلی اللہ کے مراتب ہیں، اہلِ تصوف صرف الفاظ ہی سے لطف اَندوز نہیں ہوتے بلکہ اپنی اپنی حیثیت کے بموجب اِن مراتب اور درجات تک رسائی حاصل کرتے ہیں جو اِن الفاظ سے اصطلاحًا مراد ہوتے ہیں۔

اگرچہ ظاہر ہے کہ سرورِ کائنات سیّد موجودات محبوبِ رب العالمین کی رسائی میں اور صوفی کی رسائی میں زمین آسمان بلکہ اِس سے بھی زیادہ کا فرق ہوگا لیکن اگر آپ نبی ﷺ کی نماز کو صلوۃ کہتے ہیں اور یہی لفظ آپ گنہگار فاجر و فاسق کی نماز کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں اور اُس کو شریعت کا محاورہ

قرار دیتے ہیں حالانکہ دونوں کی نمازوں میں اِتنا فرق ہے کہ اُس کا اَندازہ لگانا ناممکن ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حضراتِ اہلِ تصوف اور اَربابِ طریقت کی اصطلاحات کو بھی شرعی اصطلاحات نہ قرار دیں اور لٹکنے کے بجائے ''تدلّی'' کے وہ درجہ مراد نہ لیں جو اہلِ طریقت کی اصطلاح میں مراد ہوتا ہے۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

وَمَرَاتِبُ الدُّنُوِّ وَالتَّدَلِّیْ وَمَا کَنَی بِقَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ بِمَا ھُوَ اَدْنٰی مِنْہُ دَرَجَاتُ قُرْبٍ لِلْعَھْدِ مِنَ اللّٰہِ تعَالٰی فِیْ تَجَلِّیَاتِہٖ سُبْحَانَہٗ یُدْرِکُہُ الصُّوْفِیْ وَمَنْ لَّمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ وَقَدْ ذَکَرُوْا ھٰذِہِ الدَّرَجَاتِ فِیْ کُتُبِ التَّصَوُّفِ فِیْ کَلِمَاتِھِمْ اَکْثَرَ مِمَّا تُحْصٰی .[1]

دُنُوٌّ (قریب ہونا) تَدَلِّیْ یا قَابَ قَوْسَیْنِ یا اَدْنٰی مِنْہُ تقرب اِلی اللہ اور تجلیاتِ خداوندی کے درجات ہیں جن کو صوفی جانتا ہے اور پہچانتا ہے مگر جس کو یہ ذوق ہی نہ ہو وہ اِن درجات کو پہچان ہی نہیں سکتا اور حضراتِ اہلِ تصوف نے اپنے ملفوظات میں اِن کا تذکرہ اِتنی مرتبہ کیا ہے کہ اُس کی کوئی گنتی نہیں ہوسکتی، اِس تفسیر کے لحاظ سے اِس آیت کا مصدق بھی معین ہوگیا جس کا ترجمہ یہ ہے :

''وہ تھا اُفقِ اعلیٰ پر''[2] یعنی محمد ﷺ اپنی اِستعداد اور صلاحیت کے سب سے بلند مرتبہ پر تھے۔ پھر دُنُوْ، تَدَلِّیْ اور قَابَ قَوْسَیْنِ کے مراتب پر فائز ہوئے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شاعرانہ زبان میں اِس بلند ترین مقام کی طرف اِشارہ فرمارہے ہیں :

شبے بر نشست اَز فلک بر گزشت
بتمکین و جاہ اَز ملک در گزشت
چنان گرم در تیہ قربت براند
کہ در سدرہ جبرئیل اَز اُو باز ماند
بدو گفت سالار بیت الحرام
کہ اے حامل وحی برتر خرام

[1] تفسیر مظہری ج۹ ص۱۰۵ [2] وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی

چو در دوستی مخلصم یافتی
عنانم ز صحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند
بماندم کہ نیزوی بالم نماند
اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری لیلۃ المعراج کی تصویر کھینچ دی ہے، فرماتے ہیں :

(۱) ایک شب کو (براق پر) بیٹھے آسمان سے اُوپر پہنچ گئے اور اپنے قدر و منزلت میں فرشتے سے بھی آگے بڑھ گئے۔

(۲) قرابت خداوندی کی وادی میں اِتنے تیز چلے کہ جبرئیل اَمین بھی سدرۃ المنتہیٰ پر اُن سے پیچھے رہ گئے۔

(۳) بیت الحرام کے سردار (آنحضرت ﷺ) نے جبرئیل اَمین علیہ السلام سے فرمایا : اے وحیٔ خداوندی کے لے جانے والے اُوپر تشریف لائیے۔

(۴) جب تم نے مجھے دوستی میں مخلص پایا ہے تو یہاں میری معیت سے کیوں باگ موڑلی ہے۔

(۵) حضرت جبرئیل نے عرض کیا میری مجال نہیں کہ اِس سے اُوپر پہنچ سکوں، میں اِس لیے یہاں رہ گیا کہ میرے پروں میں پرواز کی طاقت ہی نہیں رہی۔

(۶) اگر ایک بال کے برابر بھی اُوپر اُڑوں تو تجلی کی روشنی میرے پروں کو جلا ڈالے۔

﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى o ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى o وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى o ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى o فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴾ کے متعلق جو خلجان پیش کیا گیا وہ اپنی جگہ درست تھا اِسی لیے اِس کا جواب دیا گیا لیکن اِس جواب کے بعد خلجان پیش کرنے والے حضرات کی توجہ اِس طرف بھی منعطف کرانی ہے کہ اگر شدید القوی سے مراد جبرئیل اَمین ہو یا اُس کے بعد کی تمام کیفیات کا تعلق حضرت

جبرئیل علیہ السلام سے قرار دیا جائے تو کیا اِس سلسلہ کلام کی آخری آیت ﴿فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی﴾ (وحی نازل کی اپنے بندہ پر جو وحی نازل کی) کا تعلق بھی حضرت جبرئیل ہی سے ہوگا آنحضرت ﷺ بندے کس کے ہیں وحی نازل کرنے والے کون ہیں ؟ اِس سے کسی کو بھی اِنکار نہیں ہے کہ اِس آیت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر جو چاہی وحی نازل کی جب اِس آیت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے تو سابق آیات اور اَوصاف کا تعلق بھی اللہ ہی سے ہوگا یعنی ماننا پڑے گا کہ جو خدا سکھانے والا ہے جو ذوالقوۃ المتین ہے جو عرش پر متمکن ہے جس نے وحی نازل کی وہی ہے جس کا دیدار دیدہ چشم نے کیا جس کی تصدیق قلب نے کی جو اِس دیدار میں شریکِ چشم تھا۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ معنی لیے جاتے کہ فرشتہ نزدیک آیا پھر اور قریب آیا یہاں تک کہ تقریباً دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم، تو اِس سے آنحضرت ﷺ کا کمال نہیں ظاہر ہوتا کیونکہ آنحضرت ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے افضل تسلیم کیا گیا ہے خود آنحضرت کا اِرشاد ہے : وَزِیْرَایَ فِی السَّمَاءِ جِبْرَئِیْلُ وَ مِیْکَائِیْلُ. آسمان میں میرے دو وزیر جبرئیل ومیکائیل ہیں۔

ہاں ایک سوال ہوسکتا ہے کہ قرآن شریف میں ہے ﴿ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ ﴾ ''نگاہیں اُس کا اِدراک نہیں کرسکتیں'' تو حضرت حق جل مجدہ کی رؤیت کیسے ہوسکتی ہے ؟ مگر اِس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ اِدراک اور رؤیت (دیدار) میں فرق ہے۔ چاند سورج پر ہماری نظر پڑتی ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے چاند اور آفتاب دیکھا یعنی ہمیں چاند و آفتاب کی رؤیت ہوئی مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے چاند سورج کا اِدراک کرلیا کیونکہ اِدراک اُسی وقت بولا جاتا ہے جب پوری چیز پر نظر پڑ جائے اور اُس کی کچھ حقیقت بھی معلوم ہوجائے۔

اَلْاِدْرَاکُ : ھُوَ الْوُقُوْفُ عَلٰی کُنْہِ الشَّیْءِ وَالْاِحَاطَۃُ بِہٖ اَوِ الْوُصُوْلُ اِلَی الشَّیْءِ بِحَیْثُ لَا یَفُوْتُ مِنْہُ الشَّیْءُ.

رؤیت اور اِدراک کا فرق اِس مثال سے سمجھایا جاسکتا ہے : بنو اِسرائیل رات کی اندھیری

میں مصر سے روانہ ہو گئے فرعون کو جیسے ہی خبر پہنچی دن نکلتے ہیں فوج لے کر اِن کے تعاقب میں روانہ ہو گیا، دونوں جمعیتوں [۱] نے جب ایک دُوسرے کو دیکھا تو حضرت موسٰی علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا ﴿اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ﴾ ہم تو پکڑ لیے گئے، ایک دُوسرے کو دیکھنے کے لیے ''تَرَاءٰی'' لایا گیا ہے جو رؤیت سے ماخوذ ہے۔ اور جب بنو اِسرائیل کو احساس ہوا کہ ہم سب طرف سے گھر گئے ہیں تو اِس کے لیے ''مُدْرَکُوْنَ'' لایا گیا ہے جو اِدراک سے ماخوذ ہے۔

''مُدْرَکُوْنَ'' کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے کیا ہے : ہم تو پکڑ لیے گئے۔

پس اِدراک ایسے موقع پر بولا جائے گا جہاں احاطہ اور کشفِ حقیقت کی شان ہو۔

اِس موقع پر یہ واضح کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ ''رؤیت'' کا اِطلاق ایسے موقع پر بھی ہوتا ہے جہاں ''اِدراک'' یعنی انکشافِ حقیقت کا مفہوم مقصود ہو، جہاں ''رؤیت'' سے اِنکار کیا گیا ہے وہاں رؤیت کا یہی مفہوم مراد ہے (جو اِدراک کا ایک درجہ ہے) مثلاً حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ خود آنحضرت ﷺ سے ''رؤیت'' کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیا نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ نور ہے، میں اُس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں ! جہاں تک ''نور'' کا تعلق ہے وہ نظر آنے کے قابل چیز ہے اِس کے لیے اَنّٰی اَرَاہُ نہیں کہا جا سکتا (میں اُس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں) البتہ ''اِدراک'' کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے میں کہاں اِدراک کر سکتا ہوں۔

پس اِس اِرشادِ گرامی میں اگرچہ بظاہر اِنکار ہے مگر اِس اِنکار میں اِقرار بھی ہے کیونکہ ظاہر ہے کچھ تو نظر آیا جب ہی تو اِرشاد ہوا ''نور'' مگر جہاں تک حقیقتِ نور کا تعلق ہے تو اِس کے اِدراک سے عقل سراسر قاصر، نظر و فکر معطل اور نگاہیں خیرہ ہیں۔ (کما قیل)

دُور بینانِ بارگاہ اَلست

جز ازیں پے نبردہ اَند کہ ہست [۲]

---

[۱] بنو اِسرائیل اور فرعونی لشکر

[۲] بارگاہِ اَلست کے دُور بین لوگ اِس سے زیادہ خبر نہ پا سکے کہ (وہ ہے)۔

دُوسری توجیہہ :

اِس طویل بحث کا حاصل یہی ہے کہ شبِ معراج میں آنحضرت ﷺ کو دیدۂ چشم سے حضرت حق جل مجدہ کی رؤیت ہوئی، حضرت اِبن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک یہی ہے۔

مگر دُوسرا مسلک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے جو حضرت حق جل مجدہ کی رؤیت کو ناممکن قرار دیتی ہیں وہ پورے وثوق اور بڑی پختگی سے فرماتی ہیں کہ شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ عز وجل کی رؤیت نہیں ہوئی، شب معراج میں آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیل اَمین علیہ السلام کو اپنی اصلی ہیئت میں دیکھا تھا، سورۂ نجم میں اِسی رؤیت کا تذکرہ ہے۔ قریب ہوئے زیادہ قریب ہوئے حتی کہ دو کمانوں یا اِس سے بھی کم، یہ سب حضرت جبرئیل علیہ السلام سے متعلق ہیں۔ یہ حقیقت بھی یہاں واضح کر دینی مناسب ہے کہ عموماً حضراتِ مفسرین نے یہی مسلک اِختیار کیا ہے، اُردو زبان میں جو تفسیریں لکھی گئی ہیں اُن میں بھی اِسی کی اِتباع کی گئی ہے اِس لیے اِس موقع پر اِس توجیہہ کی تفصیل کے بجائے یہ مشورہ دینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ ذوق حضرات تفسیر بیان القرآن مصنفہ حکیم الامت حضرت مولانا اَشرف علی رحمۃ اللہ علیہ مطالعہ فرمائیں حکیم الامتؒ نے اِس مسلک کی بہترین ترجمانی کی ہے۔

لطیفہ :

لطف کی بات یہ ہے کہ گزشتہ صدی کے علامہ محقق سیّد محمود آلوسی (متوفیٰ ۱۲۷۰ھ) اپنی مشہور تصنیف رُوح المعانی میں فرماتے ہیں کہ اِن دونوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے محض تعبیر اور الفاظ کا اِختلاف ہے جس کو اِختلافِ لفظی کہا جاسکتا ہے۔

اُستادِ محترم حضرت علامہ مولانا شبیر اَحمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اِس کی تائید فرماتے ہیں، آپ کے الفاظ یہ ہیں :

> ''معلوم ہوا کہ خداوندِ قدوس کی تجلیات واَنوار متفاوت ہیں، بعض اَنوار قاہرہ للبصر ہیں بعض نہیں اور ''رؤیتِ رب'' فی الجملہ دونوں درجوں پر صادق آتی ہے، اِسی لیے

کہا جا سکتا ہے کہ جس درجہ کی رؤیت مومنین کو آخرت میں نصیب ہوگی جبکہ نگاہیں تیز کر دی جائیں گی جو اُس تجلی کو برداشت کر سکیں وہ دُنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔''

ہاں ایک خاص درجہ کی رؤیت سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو شبِ معراج میں حضرت اِبن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے موافق میسر ہوئی اور اِس خصوصیت میں کوئی بشر آپ کا شریک و سہیم نہیں ہے، نیز اِن ہی اَنوار و تجلیات کے تفاوت و تنوع پر نظر کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت اِبن عباس رضی اللہ عنہم کے اَقوال میں کوئی تعارض نہیں، شاید وہ نفی ایک درجہ میں کرتی ہوں اور یہ اثبات دُوسرے درجہ میں کر رہے ہیں اور اِسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت رَأَیْتُ نُوْرًا میں تطبیق ممکن ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

مضمون بہت طویل ہو گیا مگر پھر بھی نا تمام رہا، کیا عرض کیا جائے، واقعہ یہ ہے ؎

دامان نگہ تنگ و گل حسنِ تو بسیار
گل چیں بہار تو ز داماں گلہ دارد [1]

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مخیّر حضرات سے اَپیل

جامعہ مدنیہ جدید میں بحمد اللہ چار منزلہ دارُالاقامہ (ہوسٹل) کی تعمیر شروع ہو چکی ہے پہلی منزل پر ڈھائی کروڑ روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے، مخیّر حضرات کو اِس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی دعوت دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (اِدارہ)

[1] نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول زیادہ، تیری بہار کے پھول چننے والا اپنے دامن سے شاکی ہے